آفتابِ مرثیہ گوئی مرزا دبیر کا نثری شاہ کار

ڈاکٹر سید مجاہد حسین حسینی، سابق صدر شعبۂ اردو و فارسی، (گلبرگہ یونیورسٹی)

انگریزی زبان کے معروف انشائیہ نگار فرانسس بیکن (Francis Bacon) (۱۵۶۱ء تا ۱۶۲۶ء) نے آج سے صدیوں پہلے کتابوں کے مطالعے کے سلسلے میں جو اصول وضع کیے تھے وہ زمان و مکان کی گرفت میں آج تک نہ آسکے۔ اس دانشور نے کہا تھا کہ کچھ کتابیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں صرف چکھا جاتا ہے جبکہ بعض ایسی ہیں جنھیں نگل لیا جاتا ہے لیکن چند تصانیف اس قابل ہیں کہ انھیں چبا چبا کر ہضم بھی کر لیا جائے۔ ایک اور نامور اردو ادبی نقاد، مذہبی پیشوا اور انشائیہ نویس جان رسکن (John Ruskin) (۱۸۱۹ء تا ۱۹۰۰ء) کا قول ہے کہ مطالعہ کے دوران ہمیں عام کتاب (A Book) کے بجائے مخصوص کتاب (The book) ہی پڑھنا چاہیے مخصوص کتاب سے اُس کی مراد صحفِ آسمانی، سیرت علما و فضلا اور اقوال حکما و فلاسفہ ہے۔ مذکورۂ بالا دونوں بزرگوں نے کتابوں کی تقسیم نظم و نثر یا دیگر اصناف علوم کی بنیاد پر نہیں کی ہے۔

اس نقطۂ نظر سے اگر ہم آفتاب مرثیہ گوئی، مرزا سلامت علی دبیر کو ایک مخصوص کتاب یا الکتاب کہہ کر پکاریں تو اسے شاعرانہ تعریف، تحسین یا مدح سرائی نہیں کہنا چاہیے۔ آیئے ہم اس نسبتاً کم مشہور مگر وقیع تصنیف کا کسی قدر بالاستیعاب مطالعہ کریں۔ تاکہ ہم سمجھ سکیں کہ یہ مخصوص کتاب بہ اعتبار متن کن علمی و ادبی خصوصیات کی حامل ہے؟

"ابواب المصائب" اگرچہ مرزا دبیر کی ایک نادر روزگار نثری تصنیف ہے لیکن اسے بالکل نئے اور سائنٹفک انداز ترتیب و تحشیہ کے ساتھ میرے محترم مکرم فرما اور اردو کے محقق بے بدل جناب ڈاکٹر سید تقی عابدی مقیم حال کینیڈا نے اپنے تفصیلی مقدمہ مع سوانح عمری مصنف اور عالمانہ تشریح مطالب کے ساتھ ۲۰۰۴ء میں بعنوان کلام دبیر جلد پنجم شائع فرمایا ہے۔ ایک سو پچاس صفحات کو محیط سفید و روشن کاغذ پر بے عیب کمپوزنگ سے مزین اس سفینۂ علم و حکمت کی طباعت شاہد پبلی کیشنز، نئی دہلی نے انجام دی ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم اصل کتاب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

> "الحمد للہ رب العالمین کے اعانت عنایت پروردگار اور تائید ائمہ اطہار علیہم السلام سے ان سطور لطافت گنجور کی تحریر سے انفراغ حاصل ہوا۔ اب التماس اس ابجد خوان لوح بے سوادی اور ہیچ مدان دبستان بی استعدادی کا خدمت ارباب فصاحت و اصحاب بلاغت میں یہ ہے اگر چہ یہ مجموعہ پریشان مثل میرے نامۂ عصیاں کے حرف قبول سے معرا و مبرا ہے مگر چشم داشت دقیقہ شناسان معنی رس کے لمعات انوار و انظار سے یہ ہے کہ عین عطا کو ملاحظہ خطا میں کار فرمائیں بخدائے

لایزال کے نقطۂ حواس اور تردد بے قیاس میں بہ تعجیل تمام اور عجلت مالا کلام مدت یک ہفتہ میں اس خود غلط نے یہ اوراق سفید سیاہ کیے ہیں اور اس زمانہ میں بھی اکثر اکتساب ثواب مجالس [illegible] میں اور تحصیل سعادت ملازمت [illegible] اور موجود رہا ہے۔'' (۱)

نہیں بھولنا چاہیے کہ مرزا دبیر بنیادی طور پر ایک شاعر تھے نہ کہ نثر نگار۔ اردو کے رثائی ادب میں وہ ایک [illegible] مقام کے مالک تھے۔ ان کا مذہبی کلام اس پایہ کا ہے کہ ان کے معاصرین میں اگر کوئی دوسرا ان سے ہم پلہ تھا تو وہ صرف اور صرف میر انیس ہی تھے۔ ایک زمانہ تھا کہ روایتی قسم کے تنگ نظر اور سہل انگار ناقدین بیک آواز انیس و دبیر کو ایک دوسرے کا رقیب اور بدخواہ کہتے تھے۔ لیکن جب میر انیس کا ۱۸۷۴ء میں انتقال ہو گیا تو مرزا دبیر نے اُن کا قطعہ تاریخ وفات کہا

آسماں بے ماہ کامل سدرہ بے روح الامیں　　طور سینا بے کلیم اللہ منبر بے انیس (۲)

اس کے علاوہ مرزا دبیر کے بڑے بھائی مرزا غلام محمد نظیر کا ۱۲۹۱ھ میں انتقال ہو گیا۔ چنانچہ میر انیس اور نظیر دونوں کو ایک وقت یاد کرتے ہوئے مرزا دبیر نے فرمایا تھا

وا دریغا، عینی و دینی دوبازویم شکست　　بے نظیر اول شدم امسال و آخر بے انیس

قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا دبیر نے جو آخری مرثیہ کہا وہ یوں تھا۔

انجیل مسیح لب شبیر ہیں عباس

''مرزا دبیر یہ مرثیہ نظم کر رہے تھے کہ میر انیس کے انتقال کی خبر ملی۔ مرثیہ ناتمام چھوڑ دیا اور کہا کہ ۔۔ دبیر، یہ تیرا آخری مرثیہ ہے اور یہی نا تمام مرثیہ انھوں نے اپنی آخری مجلس میں ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۹۱ھ میں پڑھا تھا۔ یہ مرثیہ حضرت عباس کے حال میں تھا'' (۳)

میر انیس و مرزا دبیر کے حوالے سے اوپر جو جملہ ھائے معترضہ لکھے گئے وہ بے ربط اور بے مقصد نہ تھے۔ غرض یہ کرنا تھا کہ انیس کے ہم عصر مرزا دبیر جتنے اچھے نثر نگار تھے اُتنے ہی اعلیٰ درجے کے شاعر اور نفیس انسان بھی تھے۔ ابواب المصائب کے اختتام پر جو قطعہ تاریخ کہا ہے اس سے اُن کی قادر الکلامی اور ملکۂ تاریخ گوئی کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اے زہے این کتاب حزن اثر　　کہ مزین بنام آل عباست
درمعانی و لفظ ہر ورقش　　محضر خون سید الشہدا ست
سطر سطرش تجلوۂ تاثیر　　مد آہ جناب خیر نساء ست
ہست عاری عبارت از اغراق　　چون الف ہست حرف حرف راست
درکتاب زمانہ این اوراق　　یادگار دبیر بے سروپاست
چون بہ لطف ائمہ گشت تمام　　اے ہمیں لطف خضر منزل ماست

غور کردم بہ سال تالیفش | کہ ز آئین فرقۂ شعر است
تا لہاں فوج فوج آمدہ عقل | از پے ... ت ... داد مژدہ ... است
گفت ہاتف ... سال تالیف
مصحف طاق چشم ... ت (۱۲۷۵ھ)

''ابواب مصائب'' کا انتساب بہادر ہوریہ عاشق دبیر، امیر کبیر راجہ میوہ رام افتخار الدولہ کے نام ہے جو مسلمان ہو کر آخر عمر میں کربلائے معلی تشریف لے گئے اور وہیں پیوند خاک شفاف بھی ہوئے۔ ان ہی افتخار الدولہ کے تعمیر کردہ عالی شان امام باڑے میں مرزا دبیر ہر سال اپنے نو تصنیف مراثی پڑھا کرتے تھے۔ مرزا صاحب کی کہی ہوئی یہ رباعی قابل ذکر ہے:

اس در پہ ہر ایک شادماں رہتا ہے | خنداں گل امید، یہاں رہتا ہے
ہر فصل میں دست افتخار الدولہ | نیساں کی طرح گہر فشاں رہتا ہے (۵)

کتاب مذکور کے مقدمہ میں فاضل مرتب، ڈاکٹر سید تقی عابدی نے قدرے تلخی و ترشی کے ساتھ لکھا ہے:

''یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ انیسویں صدی کا اس شاہ کار تصنیف کو سہل انگاری کے غلاف میں لپیٹ کر پہلے خود دبیر کے گھر والوں نے اور بعد میں غیروں نے اپنے ذاتی کتب خانوں کی الماریوں کے طاق نسیاں میں رکھ چھوڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے عوام تو ایک طرف خواص اور رثائی ادب کے ماہرین بھی بے بہرہ رہے۔ 'ابواب المصائب' کو تصنیف ہو کر تقریباً (۱۸۰) سال کا عرصہ ہو چکا ہے اور اس کو مطبع یوسفی سے شائع ہو کر بھی کم از کم سو سال ہو چکے ہیں اور اس ایک سو اسّی سال کی مدت میں درجنوں عمدہ تحقیقی نثری کتابیں اردو نثر کے ارتقاء پر لکھی گئیں لیکن اکثر کتابوں میں اس کا تذکرہ و تجزیہ تو دور کی بات ٹھہری اس کا نام تک نظر نہیں آتا۔ اردو نثر کی تاریخ اور اس کے ارتقاء کی چشم دید گواہ صرف چند تصانیف اور تالیفات ہیں جن کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے چنانچہ ایسے نثری قحط الکتاب کے دور میں اس عمدہ نثری تصنیف سے چشم پوشی، شریعت ادب میں گناہ نہیں تو اور کیا ہو سکتی ہے جب کہ اغلب دیگر تصانیف اور تذکروں میں کئی ضعیف اور مجہول کتابوں کے ذکر سے درجنوں اوراق سیاہ کئے گئے ہیں۔۔ یہ بھی تعجب کا مقام ہے کہ میرزا دبیر کی پہلی سوانح ''شمس الضحیٰ'' جو فارسی میں ہے (اور جس کا ترجمہ راقم نے تقریباً تکمیل کر لیا ہے) اس کتاب کے ذکر سے یہ خالی ہے۔'' (۶)

اب آیئے نہایت اختصار کے ساتھ ان مستند حضرات کا ذکر کریں جنھوں نے ''ابواب المصائب'' کے ضمن میں اپنی معلومات اور آراء پیش کی ہیں:

(۱) افضل حسین ثابت، تلمیذ دبیر اپنی کتاب ''حیات دبیر'' میں لکھتے ہیں:

''ایک اردو نثر کی کتاب مصائب میں، مطبع یوسفی میں چھپی ہے جس کا نام ''ابواب المصائب'' ہے۔ جناب مرزا اوج صاحب قبلہ سے بر سبیل تذکرہ معلوم ہوا کہ اس کا اصل مسودہ مرزا صاحب کا کتب خانہ میں موجود ہے۔ میرے کرم فرما سید صغیر حسین صاحب شمس، مالک مطبع یوسفی دہلی و

مینیجر اخبار اثنا عشری دہلی کی شعاع توجہ و مہربانی سے یہ کتاب مجھے پہنچی۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیر الدین حیدر بادشاہ دوم اودھ کے عہد میں یہ کتاب مرزا صاحب نے لکھی۔ حضرت یوسف کے واقعات، جا بجا لکھ کر حالات امام حسینؑ کا پیوند لگایا ہے۔ باوصف کہ اب سے اسّی (۸۰) پچاسی (۸۵) سال پہلے کی تصنیف ہے مگر زبان سلیس ہے۔ عبارت میں اس زمانہ کی روش کے موافق فارسی و عربی کے الفاظ بہت ہیں مگر عبارت کو خواہ مخواہ مقفّیٰ نہیں بنایا ہے اس لیے پیچیدگی سے خالی نہیں ہے۔"(۷)

(۲) ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری کا بیان:

"راقم الحروف کو دبیرؔ کی ایک نثری تصنیف موسوم بہ "ابواب المصائب" دستیاب ہوئی۔ یہ کتاب نایاب ہے اور اب عنقا کا حکم رکھتی ہے۔ ابواب المصائب مرزا دبیر نے عین عالم جوانی میں بعمر ۲۷ سال ۱۲۴۵ ہجری میں تصنیف فرمائی۔ ابواب المصائب رجب علی بیگ سُرورؔ متوفی ۱۲۸۶ھ کے "فسانۂ عجائب" (سال تصنیف ۱۲۴۰ ہجری) کے بعد دبستان لکھنؤ کی دوسری نثری تصنیف ہے۔ اس کی زبان سادہ اور سہل ہے اور اس میں فسانۂ عجائب جیسی پُر تصنع، مقفّیٰ اور مسجع عبارت نہیں ہے۔"(۸)

(۳) ڈاکٹر محمد زمان آزردہ کی رائے:

"دبیرؔ نے اردو نثر میں ایک مستقل تصنیف "ابواب المصائب" یادگار چھوڑی ہے جو کئی اعتبار سے اردو نثر کی تاریخ میں اہمیت کی حامل ہے اور لکھنؤ کے نثری دبستان کے مطالعہ میں ناگریز ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زیر نظر کتاب اردو نثر کے محققوں اور ناقدوں کی نظروں سے اوجھل تھی کیوں کہ اردو نثر کی تاریخ کے اولیں دور کے بیان میں "ابواب المصائب" کا ذکر نہیں ملتا۔(۹)

(۴) صاحب دبستان دبیر، ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی مرحوم رقم طراز ہیں:

"مرزا صاحب نے اس کتاب کی تاریخ بھی خود ہی نکالی تھی۔ "مصحف طاق چشم اہل عزاست (۱۲۴۵ھ)۔ یہ کتاب (۱۷۸) صفحات پر شائع ہوئی تھی اور اردو نثر کی ابتدائی کتابوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب ذاکری کے اس طریقے سے تعلق رکھتی ہے جسے "نثر خوانی" کہتے ہیں۔ نثر خوانی کے دستور کے مطابق جگہ جگہ اشعار بھی چسپاں کیے گئے ہیں۔"(۱۰)

ابواب المصائب کی متنی تنقید

جناب مرزا سلامت علی دبیرؔ، باعث تالیف اور سبب تصنیف "باب المصائب" کا حسب ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"بتائید غیبی اور بالہام لاریبی بندۂ حقیر، کثیر التقصیر اعنی دبیرؔ کا یہ عزم بالجزم ہوا کہ ترجمہ سورۂ یوسفؑ کا مشتمل بمصائب جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا بطریق تازہ اور بہ حسن بے اندازہ از روئے تفاسیر معتبرہ اور احادیث معتمدہ کے تعزیہ داران جناب ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے مطالعہ کے واسطے زبان اردو معلی میں کرے۔

نظم

حق تعالیٰ سے مجھ کو ہے امید — یہ کتاب عزا رہے جاوید

روئیں پڑھ پڑھ کے اس کو تعزیہ دار کریں فقروں پہ دُرِّ اشک نثار
آفریں شاہ خوش نہاد کریں ہر ورق پر حسینؑ صاد کریں

برادران مومنین و شیعان ائمہ معصومین علیہم السلام پر واضح ہو کہ بنائے تالیف اس کتاب ''ابواب المصائب'' کی متضمن تھی کیفیت نزول سورۂ یوسف علیہ السلام پر اور مطابقت مصائب یوسف آل عبا یعنی جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ الثناء و اہلبیت رسول خدا پر اور مصائب حسین ابن علی علیہ السلام چنانچہ تمام کیفیت سورہ مسطور (لکھا گیا) مشتمل کی گئی شش باب میں''(۱۱)

اس مقام پر میرا مقصد اصلی یہ نہیں کہ حضرت دبیر کے ترتیب دادہ جملہ ابواب و فصول کا تفصیلی ذکر کروں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ قرآن کریم میں موجود سورۂ یوسف کے حوالے سے واقعات کربلا پر روشنی ڈالنا کوئی نئی بات نہیں۔ ملا حسین واعظ کاشفی نے اپنی مشہور زمانہ نثری تصنیف ''روضۃ الشہداء'' ہرات کے ایک شہزادے سید مرزا کی فرمائش پر ۹۰۸ ہجری میں تخلیق کی تھی۔ اس کتاب کے پہلے باب میں تفصیل کے ساتھ سورۂ یوسف کے نزول اور حضرت یوسف کے قصہ کو بیان کیا گیا ہے لیکن بقیہ ۹/ابواب میں یہ ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے برعکس ''ابواب المصائب'' کے تمام چھ حصوں میں حضرت یوسف کے واقعہ کو بیان کر کے واقعاتی مناظرہ کیا گیا ہے۔ ایک اہم بات یہ کہ باوجودیکہ مرزا صاحب کثیر المطالعہ تھے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ ابواب المصائب روضۃ الشہداء کا ترجمہ یا تفسیر ہے۔ بعینہٖ فضلی کی کربلا کتھا (سال تصنیف ۱۱۴۵ھ) بھی مرزا صاحب کے پیش نظر رہی ہوگی مگر ہم زبان و بیان اور مواد و ترتیب کسی بھی لحاظ سے ''ابواب المصائب'' کو خدانخواستہ کربل کتھا کا چربہ یا ثانی نہیں کہہ سکتے۔ کربل کتھا اور روضۃ الشہداء نے ایران کے مذہبی شعرا محتشم کاشی اور مقبل کے اشعار سے استفادہ کیا ہے جبکہ مرزا صاحب نے ''ابواب المصائب'' میں تقریباً پانچ سو سے زیادہ خود اپنے کہے ہوئے اشعار استعمال کئے ہیں۔

کربل کتھا، روضۃ الشہداء اور باب المصائب میں چند مطالب مشترک ہیں۔

(۱) ان سب کا موضوع شہدائے کربلا کے واقعات کا بیان ہے۔

(۲) تینوں میں کم و بیش حضرت یوسف کا تذکرہ اور ربط مصائب کربلا ہے۔

(۳) تینوں کتابوں میں آیات قرآنی، احادیث نبویؐ اور تاریخی روایات کا بیان ہے۔

(۴) نثر کے ساتھ نظم بھی شامل ہے کربل کتھا اور روضۃ الشہدا میں ابواب المصائب کے برخلاف نظموں میں طوالت پائی جاتی ہے۔

(۵) ابواب المصائب میں معتبر روایات زیادہ نہیں جبکہ کربل کتھا اور روضۃ الشہدا میں ضعیف روایات اور واقعات بھی شامل ہیں۔

آخر کلام میں بطور نمونہ ہم ''ابواب المصائب'' کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام اس مقدس مجموعہ مجالس کے دلکش اسلوب تحریر رمرزا دبیر کے عالمانہ انداز نگارش سے کسی قدر آشنا ہو جائیں:

''راویان اخبار بیان کرتے ہیں کہ یعقوبؑ کے بارہ فرزند تھے الا یوسفؑ کو سب فرزندوں میں زیادہ دوست رکھتے تھے اور نظر شفقت و تربیت نہ اس کے حال پر تھی اسی جہت سے زنگ حسد آئینۂ دل برادران یوسفؑ پر رنگ پذیر ہوا ناگاہ ایک روز جبرئیل امین بہ فرمان رب العالمین

بہشت بریں سے عصائے زبرجد سبز یا نقرہ سپید لائے۔ کہتے ہیں کہ وہ عصائے دوحہ تھا شجرۂ طوبیٰ سے خوشبوتر مشک از ر سے اس عصا کو یعقوب نے حضرت یوسف کو دیا۔ برادران یوسف کو زیادہ تر حسد ہوا اور ایک سبب رشک یہ تھا کہ حضرت یعقوب نے ایک پیراہن کہ حضرت خلیل سے میراث میں پہنچا تھا اور وہ پیراہن وہ تھا کہ حق تعالیٰ نے جامۂ غیب سے خلیل کو درمیان آتش عنایت فرمایا تھا کہ بہ سبب اس پیراہن سے شعلے غنچہ و گل ہو گئے تھے، وہ پیراہن بھی حضرت یعقوب نے یوسف کو عنایت کیا اور سر اس شہریار نوخیز کا تمام خلق سے [illegible] لیا۔ جب حضرت یوسف نے اس لباس کو پہنا ایک روز اپنے باپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یہ بتاؤ! اس شب کو میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آفتاب و مہتاب و ستارے اترے اور مجھے سجدہ کیا۔ یعقوب نے فرمایا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ تمھیں نبوت اور سلطنت ہوگی۔ جب حضرت یوسف کے بھائیوں نے یہ سنا نہایت رنج ہوا اور باہم مشورہ کیا کہ یوسف کو کسی تدبیر سے جدا کیجیے اور مطابق من حفر سرا کے عمل کیا اور اعدائے نافرجام!! کوفہ و شام نے اس سے زیادہ امام حسینؑ پر جفا کی باوجود اس کے کہ جناب رسولؐ خدا نے وقت انتقال امت سے سفارش اہلبیت کی تھی اور فرمایا تھا۔

هذا كتاب الله واهل بيتي لا يفرق منهما حتى يرد الى الحوض (یعنی یہ کتاب اللہ کی اور یہ ہیں اہل بیت میرے اور نہ ہوں گے یہ جدا یہاں تک کہ پہنچیں گے میرے پاس حوض پر)

قرآن سے نگہباں مری عترت سے خبردار ہے ان کی اطاعت سبب رحمت غفار
عرفان الٰہی کی نشانی ہیں یہ دونوں باہم صفت لفظ و معانی ہیں یہ دونوں
پرزے مرا دل ہوگا جو قرآن کو مٹایا تڑپے گی مری روح جو عزت کو ستایا
ہیں آل نبی کون، سنو دل سے یہ تقریر زہرا ہے، یہ اللہ ہے اور شبر و شبیر
واللہ جو ان پر کوئی بیداد کرے گا خالق سے نبیؐ حشر میں فریاد کرے گا

مختصر یہ کہ حضرت میرزا دبیر کا یہ نثری شاہ کار (ابواب المصائب) اہل ذوق وعقیدہ سے خصوصی التفات وتوجہ کا طالب ہے۔ شرط اس کے لیے ہے تشنہ کامی!

حواشی:

(۱) خاتمہ ابواب المصائب۔ ص ۱۶۸۔ (۲) یہ مکمل قطعہ مرزا دبیر کی کتاب مصحف فارسی مرتبہ ڈاکٹر سید تقی عابدی میں موجود ہے۔ (۳) ابواب المصائب: (مرزا دبیر کا زندگی نامہ) ص ۲۷۔ (۴) ابواب المصائب: ص ۴۷ (۵) ابواب المصائب: ص ۱۱ (۶) ابواب المصائب: ص ۳۵ (۷) افضل حسین ثابت: حیات دبیر (۸) ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری: شاعر اعظم مرزا اسلامت علی دبیر اور باقیات دبیر (۹) ڈاکٹر محمد زمان آزردہ: مرزا سلامت علی دبیر (۱۰) ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی: پیام عمل، دبیر نمبر (۱۹۷۷ء) اردو ادب کی توسیع میں دبیر کا حصہ (۱۱) ابواب المصائب (مصنفہ مرزا دبیر) مرتبہ ڈاکٹر سید تقی عابدی ص ۵۱-۵۲

☆☆☆